46

دینی اور دنیوی امور میں مایوسی سے بچو

(فرمودہ ۴- مارچ ۱۹۳۲ء بمقام دہلی)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

جس طرح جسم ایسے غیر معلوم بیماریاں پیدا کرنے والے اثرات کے نیچے آتا ہے کہ بسا اوقات ان کے اسباب و علل کا علم سالوں کے بعد ہوتا ہے اسی طرح انسان کی روح مختلف اسباب کے اثرات کے نیچے آتی ہے اور اس کا علم انسان کو مدتوں تک نہیں ہوتا بسا اوقات جبکہ انسان یہ خیال کرتا ہے کہ میں روحانی طور پر تندرست ہوں لیکن حقیقت میں وہ بیمار ہوتا ہے۔ جس کا اسے علم نہیں ہوتا اور بسا اوقات وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں لاعلاج بیمار ہوں حالانکہ اسی لحہ کوئی روحانی اثر اس کے اندر ایک تبدیلی کر رہا ہوتا ہے اسی طرح ایک تندرست انسان جس کے اندر بیماری کے جراثیم ہوتے ہیں وہ اپنے آپ کو تندرست خیال کرتا ہے حالانکہ وہ بیماری کی طرف جا رہا ہوتا ہے اور ایک دوسرا شخص یہ خیال کرتا ہے کہ میں لاعلاج ہوں لیکن حالت اس کے برعکس ہوتی ہے یہی حالت روحانی اثرات کے متعلق ہوتی ہے۔ ایک شخص خیال کرتا ہے کہ میں نیک ہوں حالانکہ وہ گمراہ ہوتا ہے۔ لیکن ایک دوسرا شخص جو اپنے آپ کو گمراہ خیال کرتا ہے حقیقتاً اس کے اندر نیکی کی تحریک پیدا ہو رہی ہوتی ہے لیکن جہاں جسمانی بیماریوں کے متعلق یہ آسانی ہے کہ ان کے متعلق انسان کو کم سے کم اس وقت جب بیماری کمال پر ہوتی ہے اس کے لاحق ہو جانے کا اعتراف کرنا پڑتا ہے وہاں روحانی حالت میں جو بیماری ہوتی ہے اس کا احساس نہیں ہوتا۔ روحانی حالت میں انسان اپنے آپ کو بیمار قرار دینا پسند نہیں کرتا جیسے طاعون والے آدمی بیماری کے دنوں میں اس بیماری کو چھپاتے تھے تاکہ لوگ ان سے دور نہ بھاگ جائیں اور انہیں علیحدہ نہ

ڈال دیا جائے اسی طرح روحانی بیماریوں کو لوگ چھپاتے ہیں اس خیال سے کہ لوگ ان سے نفرت نہ کریں کیونکہ روحانی بیماریوں کو حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے حالانکہ چاہئے یہ تھا کہ ان کو بھی رحم کی نظر سے دیکھا جاتا جس طرح جسمانی بیمار کو رحم کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ معلوم نہیں یہ خیال کب سے شروع ہوا لیکن جب سے روحانی بیماروں کو حقیر و ذلیل قرار دیا گیا اسی وقت سے روحانی بیمار ان بیماریوں کو چھپانے پر مجبور ہوئے اور اس طرح ان بیماریوں کو ترقی ہوتی گئی۔ یہ حقارت لوگوں میں صرف عملاً ہی نہیں پائی جاتی بلکہ بعض مذاہب نے تو اس کو مذہب کا جزو قرار دیدیا ہے اور ایسے لوگوں کو ذلیل و حقیر قرار دیا ہے جیسے بعض مذاہب کہتے ہیں کہ گناہ کا ارتکاب جب ایک دفعہ ہو جائے تو پھر وہ معاف نہیں ہو سکتا اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو کوئی روحانی مرض لاحق ہو گیا وہ کبھی صحت یاب نہیں ہو سکتا۔ اور اسے روحانی صحت کی طرف سے بالکل مایوس کر دیا گیا اور جو مریض مایوس ہو جائے وہ صحت یاب نہیں ہو سکتا اس کے مقابلہ میں جیسے کوئی ڈاکٹر کسی مریض سے کہے کہ تیرا علاج ہو سکتا ہے تو وہ چونکہ مایوس نہیں ہوتا اس لئے بسا اوقات شفایاب ہو جاتا ہے۔

پھر بعض مذاہب ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ گناہ خواہ قابل عفو ہی کیوں نہ ہو جب تک اس کی سزا نہ بھگت لی جائے اس سے بریت نہیں ہو سکتی مگر یہ بریت نہیں ہوتی کیونکہ جرم کی سزا تو بھگت لی۔ بریت اس وقت ہو سکتی ہے کہ جب یہ کہنا کہ وہ چیز جو گناہ کی وجہ سے پیدا ہوئی اس کے اندر سے نکل گئی ہے لیکن سزا کے بھگتنے سے مراد تو یہ ہوتی ہے کہ وہ علت اس کے اندر تو ہے لیکن اس کے نتیجہ کو زائل کر دیا گیا ہے حالانکہ یہ زیادہ خطرناک ہے کیونکہ جب مادہ فاسد اندر ہے تو وہ پھوٹے گا اور ہر دفعہ اس کو اس کی سزا بھگتنی پڑیگی۔ ان کے مقابلہ میں اسلام یہ کہتا ہے کہ گناہ بھی مرض کی طرح ہے اور انسان اس سے شفا پا سکتا ہے اور تندرست ہو سکتا ہے چنانچہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ[1] کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے جس نے کوئی گناہ نہیں کیا ہوتا۔ گویا دونوں برابر ہو جاتے ہیں بالفاظ دیگر اس شخص کے اندر سے گناہ کے تمام اثرات دور ہو جاتے ہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ جیسے حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی شخص کا دل سارے کا سارا سیاہ ہو جاتا ہے[2] لیکن اس میں کسی جگہ کچھ سفیدی باقی ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں آہستہ آہستہ اس کا سارا دل سفید ہو جاتا ہے اسی طرح ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی شخص کا دل نورانی ہوتا ہے مگر اس میں ایک ذرہ

سیاہی کا ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں آخر کار اس کا سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے غرض گناہ سے بریت اسی طرح ہو سکتی ہے کہ اس کا ذرہ سا بھی اثر اس شخص کے اندر باقی نہ رہے ورنہ وہ کبھی اس کے سارے دل کو سیاہ کردیگا پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ نیک گمراہ ہو سکتا ہے اور گمراہ نیک ہو سکتا ہے اس حالت میں ضروری ہے کہ ایک طرف تو خوف انتہائی درجہ کا ہو اور دوسری طرف امید بھی انتہاء تک ہو کہ اگر انسان گڑھے میں گرا پڑا ہو تو وہ سمجھے کہ بلندی کی آخری چوٹی تک پہنچ سکتا ہے یہ دونوں احساس ایک ہی وقت میں ہونے چاہئیں اور یہی دونوں ملکر انسان کو نیک بناتے اور نیکی پر قائم رکھتے ہیں یہی بات سورۃ فاتحہ میں بتائی گئی ہے۔ فرمایا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ یہ امید رکھو کہ تم وہ تمام مدارج روحانیہ حاصل کر سکتے ہو جو تم سے پہلوں نے حاصل کئے۔ مگر ساتھ ہی غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ بھی کہو۔ کیونکہ جس طرح یہ ممکن ہے کہ ادنیٰ درجہ سے انتہائی مقام تک پہنچ جاؤ' اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ نیچے گر کر رستہ بھول جاؤ اور خدا کے غضب کے نیچے آجاؤ۔ پس نیکی کی حالت میں مطمئن اور بدی کے وقت مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ یہ دونوں حالتیں انسان کو تباہ و برباد کر دیتی ہیں۔ یعنی یہ کہ انسان اپنے آپ کو محفوظ اور مأمون قرار دے لے۔ جیسے جوانی میں کئی لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم بیمار نہیں ہو سکتے اور کئی قسم کی بد پرہیزیاں کر لیتے ہیں جو بڑھاپے میں ان کے لئے مصیبت کا باعث بن جاتی ہیں یا جوانی میں ہی ان کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ یہ حالت بھی خطرناک ہوتی ہے۔ اور یا پھر جب بیمار یہ سمجھے کہ میں صحت حاصل نہیں کر سکتا یہ بھی نقصان دہ اور انسان کو تباہ کر دینے کا موجب ہوتی ہے۔ صحیح طریق یہ ہے کہ اول تو انسان صحت کے ایام میں محتاط رہے۔ اور اس بات کی کوشش کرے کہ میں بیمار نہ ہو جاؤں یعنی حفظان صحت کے اصول کی پابندی کرے۔ اور دوسرے یہ کہ جب بیمار ہو تو یہ امید رکھے کہ صحت پا سکتا ہوں اور سرگرمی کے ساتھ علاج کرائے۔ جب یہ دونوں باتیں ہوں تو صحت حاصل ہو گی۔ یہی طریق روحانی صحت کے متعلق اسلام بتاتا ہے اور یہی صحیح مقام ہے جو انسان کو صحیح رستے پر قائم رکھتا ہے۔

انگلستان میں بیماروں کا علاج سرکاری ڈاکٹر نہیں کرتے بلکہ پرائیویٹ پریکٹس کرنے والے یا اپنی خدمات کو عوام کی خدمت کے لئے وقف کرنے والے ڈاکٹر کرتے ہیں۔ سرکاری ڈاکٹروں کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ حفظان صحت کے اصول کی تحقیقات کر کے اور لوگوں سے ان پر عمل کراتے ہیں تا بیماری پیدا ہی نہ ہو لیکن ہندوستان میں سرکاری ڈاکٹر بیماروں کا علاج کرتے ہیں مگر یہ دونوں

باتیں ضروری ہیں کہ اول بیماری سے پہلے اس کی احتیاط کی جائے اور دوسرے بیماری کے آنے پر اس کے دفعیہ کے اسباب استعمال کئے جائیں۔ پس اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں یہ بتلایا کہ انسان کہے میں بیماری میں مبتلاء ہوں۔ مجھے اس سے نجات دی جائے اور غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ میں یہ سکھایا کہ انسان کہے کہ جب میں صحت یاب ہو جاؤں تو تو ایسے سامان پیدا کر کہ پھر صحت خراب نہ ہو۔ اس تعلیم سے اسلام نے روحانی بیماروں سے نفرت کرنے کے طریق کو دور کردیا ہے کیونکہ جو بیمار تندرست ہو سکتے ہیں ان سے نفرت نہیں کی جاتی اور جن بیماریوں کا علاج ہو سکتا ہے ان کے مریضوں سے علیحدگی نہیں اختیار کی جاتی۔

پس فرمایا کہ ہر وقت ہوشیار رہو۔ اگر گری ہوئی حالت میں ہو تو مایوس نہ ہو۔ اور اگر خدا صحت دے تو کبر نہ کرو۔ مؤمن کو ان دونوں مقامات کے درمیان رہنا چاہیئے کامیابی پر مغرور نہ ہو اور تکلیف پر مایوس نہ ہو کیونکہ دونوں کے لئے سامان ہیں۔ اور جب خدا تعالیٰ انسان کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق دے اسی وقت کامیابی پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ ہر شخص جو صحیح رستے پر نہیں ہے اس میں دونوں باتوں میں سے ایک نہ ایک بات ضرور ہوگی۔ مایوسی ترقی کو بند کرتی ہے اور غرور نیچے گرا دیتا ہے۔ ہماری جماعت کو ان دونوں نقصوں سے بچنا چاہیئے۔ جبکہ خیر و شر دونوں کے دروازے کھلے ہیں تو مومن کا فرض ہے کہ وہ شر سے بچے اور خیر کو اختیار کرے۔ دین میں بھی اور دنیا میں بھی۔

(الفضل ۱۳ مارچ ۱۹۳۲ء)

---

۱ ابن ماجہ کتاب الزھد باب ذکر التوبۃ

۲

۳ الفاتحۃ:۶

۴ الفاتحۃ:۷